دو قومی نظریہ کے متعلق مسلم مفکرین کی آراء کا تجزیہ

(تشکیل پاکستان کے تناظر میں)

An Analysis of the views of Muslim Thinkers on the Two Nations Theory- In the context of the formation of Pakistan

Muhammad Abd-Ul-Rehman Jami
Ph.D Scholar, The University of Lahore
p.jami33@gmail.com
Dr Muhammad Nawaz Al Hassani
Pro. Department Of Islamic Studies, The Univeresity Of Lahore, Lahore

ABSTRACT

It is an accepted and undoubted history of sub-continent that Pakistan has come into being on 1947 on the basis of this perspective that Muslims and Hindus were two different nations. They both had the different ways of life. They had dissimilar political, economic, social, cultural and religious approaches. Their foods, dresses, parties, they ways of celebrations, sports, basic morality, family system, etc. were totally divergent. This standpoint is called "Two Nations Theory". On the basis of above-mentioned facts, a majority of Muslim leaders demanded a separate homeland where they would spend their lives according to their religion. A number of Muslim leaders had confronted this demand along with Hindus. They thought that their unity would be their strength against the British Empire. But the majority side was vigilant and had been realized that there would be no peace, no contentment and no worldly development for them in united India. So, they turned the public opinion to them under the leadership of Quaid-e-Azam and succeeded in creating Pakistan. After the formation of Pakistan, a third viewpoint was also raised that Pakistan was created on the basis of secularism. Religion has no significant status in modern states. So, the questions have been raised that was the formation of Pakistan on the basis of Two-nation theory or secular Pakistan was the original objective? Is the formation of Islamic nationalism based on religion or race, color, language and geographical boundary? In this article, an effort will be done to see their differences and different views in analytical method.

Keywords: Two-nation, Analysis, Muslim Thinkers, Formation, Pakistan.

ریاستِ پاکستان کا وجود اور اس کی تشکیل دو قومی نظریے کی مرہون منت ہے۔ یہ فلسفہ اور نظریہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے عقائد و نظریات، اندازِ فکر، طرزِ حیات، اخلاقیات، معاشرت، معیشت، سیاست، تہذیب و تمدن، لباس، خوراک، خاندان، فنونِ لطیفہ، رسومات و روایات، کھیل کود، طہارت و پاکیزگی کے آداب، غرض زندگی کے جملہ معاملات میں ان لوگوں اور ان قوموں سے بالکل مختلف ہیں جو اللہ کے وجود، اس کی وحدت، کائنات پر اس کی حاکمیت اور اس کے

دیے ہوئے احکام کی بالادستی اور غلبے کے منکر ہیں۔ کائنات میں اللہ کے احکام کی بالادستی کو ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان فرق کو ہر کوئی ، جانبین کے ظاہری اعمال کی بدولت، آسانی سے جان بھی سکتا ہے اور محسوس بھی کر سکتا ہے۔1857ء کی جنگ آزادی کو ناکام کرنے کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیااور انہیں بنیادی انسانی حقوق سے ہی محروم کر دیا۔ انگریزوں کی ان تمام کارروائیوں میں ہندوؤں نے ان کا بھرپور ساتھ دیا جس کی وجہ سے ہندو ان کی نظر میں معزز اور مسلمان قابل نفرت ٹھہرے ۔ مسلمانوں کے خلاف انتقامی کارروائیوں میں انگریزوں کے ساتھ ہندوؤں کے اشتراکِ عمل نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہندو مسلمانوں کے ساتھ محض اس لیے دشمنی رکھتا ہے کہ ان کا مذہب اسلام ہے۔ ہندوؤں کے مسلمانوں سے ہر اختلاف کا سبب مذہب سمجھا جانے لگا۔ برصغیر پاک و ہند میں جب مسلمانوں نے یہ محسوس کیا کہ متحدہ ہندوستان میں ان کے مفادات کا تحفظ کسی طرح بھی ممکن نہیں تو مسلم سیاسی و مذہبی زعماء نے اسی بات میں عافیت سمجھی کہ مسلم مفادات کا تحفظ صرف اور صرف ایک الگ مسلم ریاست سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی ایک بہت بڑی سیاسی و مذہبی قیادت نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے ایک خطہ زمین درکار ہے اور ہندو انہیں اپنے غلبے، عددی اکثریت اور تعلیم کے میدان میں آگے ہونے کی وجہ سے کبھی سر نہیں اٹھانے دیں گے۔

چونکہ ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر مظالم کی وجہ ان کے مذہب کا مختلف ہونا تھا تو مسلم لیڈران نے بھی اسی موقف کو سامنے رکھا اور دنیا کے سامنے "دو قومی نظریہ" پیش کیا۔ ہندوؤں کی جانب سے تحریک پاکستان کے دوران یہ پروپیگنڈا کیا جاتا تھا کہ ہندوستان میں ایک ہی قوم آباد ہے اور ہند کے اندر بسنے والے سب لوگ ہندی ہیں۔ جبکہ تحریک پاکستان کے قائدین اور ان کے ہم نوا علماء اور روحانی پیشوا بڑی شدت کے ساتھ اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے اس بات کا اصرار کر رہے تھے کہ ہندوستان میں مختلف اقوام آباد ہیں اور ان کے مابین اختلافات اس قدر گہرے اور شدید ہیں کہ ان کا امن و سلامتی کے ساتھ ایک ریاست میں اکٹھے رہنا محال ہے۔ مسلم علماء و سیاسی مفکرین کا یہ گروہ متحدہ قومیت کا سخت مخالف اور الگ وطن کا بہت بڑا حامی تھا۔ اس گروہ میں بڑے ناموں میں مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان، مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ، پیر مہر علی شاہؒ، خواجہ غلام فریدؒ، علامہ عبدالعلیم صدیقیؒ، سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا امجد علی خانؒ، سید محمد احمد قادریؒ، ابوالبرکات سید احمد قادریؒ، علامہ عبدالحامد بدایونیؒ، خواجہ قمر الدین سیالویؒ، مولانا سید احمد سعید کاظمیؒ، مولانا عبدالستار خان نیازیؒ، مولانا عبدالغفور ہزارویؒ، مولانا ابراہیم علی چشتیؒ، مولانا غلام محمد ترنمؒ، پیر عبدالرحیم پیر آف بھرچونڈی شریف، پیر آف مانکی شریف اور پیر آف زکوڑی شریفؒ وغیرہ تھے۔ علماء کے اس گروہ میں نمایاں کردار پیر سید جماعت علی شاہؒ کا رہا۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ہم کس طرح سے ایک قوم ہیں جبکہ مسلمان گائے کا گوشت کھاتے ہیں اور ہندو گائے کی پوجا کرتے ہیں؟ دو قومی نظریہ کا جو معنی آج تک کیا جاتا رہا،

جس کا چرچا تحریکِ پاکستان اور اس کے ایک عرصہ بعد تک ہوتا رہا وہ یہی تھا کہ مسلمان ہندوؤں سے ہر اعتبار سے ایک جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں اور چونکہ ہندوؤں کے مسلمانوں کے بارے میں مسلسل متعصبانہ طرز عمل نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اپنے خلافِ اسلام اور خلافِ مسلم رویّے کی موجودگی میں کبھی بھی مسلمانوں کو سر اٹھانے نہیں دیں گے وہ مسلمانوں کو معاشرتی، معاشی، تہذیبی، ثقافتی اور سیاسی اعتبار سے مغلوب بلکہ غلام بنانے کے لیے انگریزوں کے ساتھ مل کر سرگرم عمل ہو گئے تھے۔ مسلمان علماء اور مفکرین کے اس گروہ نے آل انڈیا سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم پر دو قومی نظریہ کی اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اس کانفرنس کا پہلا جلسہ 1925ء، دوسرا 1935ء اور تیسرا 1946ء کو بنارس میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور ہوئی کہ آل انڈیا سنی کانفرنس اپنے اس مطالبے (قیام پاکستان) کو کسی حال میں ترک نہیں کر سکتی، خواہ مسٹر جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔(1)

مسلمان علماء کا ایک دوسرا گروہ دو قومی نظریے کا تو حامی تھا لیکن الگ ریاست کے مطالبے کا قطعی مخالف تھا۔ ان کے مطابق ہندوستان میں بسنے والے لوگ مذہبی حوالے سے مختلف ہو سکتے ہیں لیکن مشترکہ زمین اور جغرافیہ ہونے کی حیثیت سے وہ ایک ہی قوم کہلائیں گے۔ ان کے الگ وطن کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے مطابق اگر جداگانہ مملکت بن جاتی ہے تو مسلمانوں کی تعداد بھی ان دو ریاستوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمان عددی اعتبار سے مزید کم ہو جائیں گے، جس سے ہندوؤں کے جارحانہ مزاج کو مزید ہوا ملے گی اور ان ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کا مستقبل غیر یقینی ہو جائے گا۔ اس گروہ میں مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا مودودیؒ جیسے علماء تھے۔ مولانا مودودیؒ کے نزدیک تو اول الذکر گروہ کا نظریہ قومیت ہی اسلامی نظریہ قومیت سے متصادم ہے اور الگ وطن سے جس تہذیب و تمدن کی حفاظت کی بات کی جا رہی ہے، وہ اپنی شامت کو خود دعوت دینے کے مترادف ہے۔(2)

قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد تک تو تحریکِ پاکستان کے وہ پرجوش کارکنان جو کہ پاکستان کے حقیقی مقصد سے پوری طرح آگاہ ہونے کے باعث پاکستان سے بھی اتنی ہی محبت کرتے تھے جتنی کہ انھیں اسلام سے محبت تھی اور اس کے تحفظ اور بقا کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار رہتے تھے مگر بدقسمتی سے جب انہیں قیام پاکستان کا حقیقی مقصد پورا ہوتا نظر نہ آیا تو ان کے جذبے بھی ماند پڑ گئے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دلوں کے سارے ارمان دلوں میں لے کر وہ نسل ہی رخصت ہو گئی جس نے دھرم اور دھرتی کی خاطر سب کچھ لٹایا تھا۔ پھر ایک نئی نسل معرض وجود میں آئی۔ اس

---

(1) اشتیاق قریشی، ڈاکٹر، (س۔ن)، علماء، میدانِ سیاست میں، ص:440

(2) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، (س.ن)، تحریکِ آزادی ہند اور مسلمان، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور۔ ص:80

نسل کو ریاست تو ملی مگر اس میں اسلامی نظریہ کا عملی نفاذ نظر نہ آیا تو وہ کیسے یقین کر لیتی کہ پاکستان اسلام کے عملی نفاذ کے لیے بنا تھا۔ اس غیر یقینی کیفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دورِ حاضر میں اسلام اور پاکستان کے مشترکہ دشمن نے یہ پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے کہ قیام پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریہ نہ تھا بلکہ ہندو کی معاشی، سیاسی اور معاشرتی اجارہ داری سے چھٹکارے کے لیے پاکستان حاصل کیا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ نظریہ ذرائع ابلاغ کے بل بوتے پر پروان چڑھتا گیا۔ ملک کے آزاد خیال اور سیکولر طبقہ کو اس نظریے میں بڑی کشش محسوس ہوئی اور مذہب کی پابندیوں سے بچنے کے لیے انہوں نے اس نظریے کو ہی مذہب بنالیا اور بائیں بازو کے وہ عناصر جو اپنے تئیں ترقی پسند تصور کرتے ہیں، اس کے پرچارک بنے اور اب ملک کی ایک اچھی خاصی تعداد اس نظریے کی حامی بن چکی ہے۔ اس نقطہ نگاہ کا ایک مخصوص اسلوب استدلال ہے اور یہ ماضی قریب یعنی تحریک پاکستان کے تمام احوال اور حوادث کی تشریح اس انداز سے کرتے ہیں کہ گویا ان کا نقطہ نگاہ ہی حقیقی نظریہ پاکستان ہے۔ ان تینوں گروہوں کے نقطہ نظر اور آراء کا تجزیہ کر کے عوام الناس تک بانیانِ پاکستان کے اس مقصد کو پہنچانا، جس کے لیے انہوں نے پاکستان کو حاصل کیا، اہلِ علم پر فرض ہے۔ اس مقالہ میں اسی فرض کی ادائیگی کی کوشش کی گئی ہے۔

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

تشکیلِ پاکستان کے بعد سے ہی مذہب پسند اور لبرل طبقہ میں ایک کشمکش شروع ہو گئی تھی کہ اس نوزائیدہ مسلم ملک کا قانون کن بنیادوں پر بنایا جائے۔ ریاستِ پاکستان کی طرف ہجرت کر کے آنے والا اور یہاں پر پہلے سے مقیم مذہب پسند طبقہ اور عوام الناس کی اکثریت اس بات پر متفق تھی کہ یہاں اسلامی قوانین کو نافذ کیا جائے کیونکہ انہوں نے جان و مال کی قربانی ہی اسلام کے لیے دی تھی جبکہ لبرل طبقہ فکر کے حامیان کے لیے چونکہ مذہب کی پابندیوں کو قبول کرنا ناممکن تھا، اس لیے انہوں نے اربابِ اختیار کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ پاکستان مذہب کی بنیاد پر نہیں لیا گیا۔ اور اگر واقعی مذہب کی بنیاد پر پاکستان لیا جاتا تو اتنے جید علماء اس کی مخالفت کیوں کرتے۔ لہٰذا ان کے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ پاکستان سیکولرازم کے نفاذ کے لیے حاصل کیا گیا۔ سبط حسن، حمزہ علوی، جسٹس منیر، ڈاکٹر عائشہ جلال وغیرہ اس نظریے کے حامی ہیں۔ اس حوالے سے سبط حسن نے "نوید فکر" اور "پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء" جیسی کتب بھی تصنیف کیں۔ جسٹس محمد منیر نے اپنی کتاب "جناح سے ضیاء تک" میں نظریہ پاکستان کی اصطلاح کو ہی ایک شخصی اصطلاح قرار دے دیا۔ اسی طرح ڈاکٹر عائشہ جلال اپنی دو مشہور کتب "The Sole Spokesman" اور "The State of Martial Rule" میں اسلامی نظریے کو تشکیلِ پاکستان کے بعد کے اقدامات قرار دیتی ہیں۔ ڈاکٹر مبارک علی پاکستان کے وجود کو مسلمانوں کی ایک صریح غلطی قرار دیتے ہیں اور اس بات کا وضاحت سے پرچار کرتے ہیں کہ پاکستان

کی تحریک سیکولر ڈیموکریٹک پاکستان کے حصول کے لیے تھی، دیگر اسلام بیزار اور مذہب مخالف علماء بھی اسی طرح کے خیالات رکھتے ہیں اور ان کا پرچار کرتے ہیں۔ دوسری طرف الشریعہ اکیڈمی، اسلام آباد نے 2005ء میں ایک کتاب "تصورِ پاکستان بانیانِ پاکستان کی نظر میں" کے نام سے شائع کی اور اس میں قائدِ اعظمؒ، علامہ اقبالؒ، نواب بہادر یار جنگؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، نوابزادہ لیاقت علی خانؒ اور چوہدری رحمت علیؒ کی تقاریر کی روشنی میں ان کے خیالات کو بیان کر کے واضح کیا ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنایا گیا تھا۔ اس کتاب میں درج بالا شخصیات کے ان اقوال کو بطور خاص نقل کیا گیا ہے جن میں انہوں نے مذہب کو ریاست کی تشکیل کی بنیاد قرار دیا ہے۔ مہندس محمد اکرم خان سوری کی کتاب "قرار دادِ پاکستان میں وائرس" میں بھی اسی چیز پر زور دیا گیا ہے کہ وجودِ پاکستان کا مرکزی نکتہ دو قومی نظریہ تھا اور اس دو قومی نظریے سے مراد مذہب اسلام تھا نہ کہ معاشرتی و معاشی اور سیاسی افکار کا اختلاف۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے "پاکستان- تصور سے حقیقت تک" میں علامہ اقبالؒ کی فکر اور قائدِ اعظمؒ کے انٹرویوز اور خطبات کو بیان کیا ہے جس میں دو قومی نظریہ کی بنیاد پر حصولِ پاکستان کا بار بار تذکرہ ملتا ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے "علماء میدانِ سیاست میں" کے نام سے، ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری نے "فاضلِ بریلوی کا سیاسی کردار"، شاہ تراب الحق نے "تخلیقِ پاکستان میں علمائے اہلِ سنت کا کردار" جیسی کتب تصنیف کیں اور تخلیقِ پاکستان کی بنیاد مذہب کو قرار دیا اور تحریکِ پاکستان میں علماء کی شمولیت اور ان کے کردار پر بات کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ ان کی شمولیت ہی یہ جاننے کے لیے کافی ہے کہ پاکستان کس مقصد کے لیے حاصل کیا گیا تھا۔ اس مقالہ میں ان دونوں طبقات کی فکر اور آراء کا تجزیہ کیا جائے گا۔

دو قومی نظریے کے متعلق اسلامی نصوص

اسلام کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی جتنی بھی ممکنہ اور مفروضہ قومیت کی بنیادیں ہیں ان میں سے قرآن کریم میں دین و مذہب کو ترجیح دی گئی ہے۔ باقی ماندہ تصور قومیت خواہ وہ نسلی ہوں یا قبائلی، رنگت کی بنیاد پر ہوں یا زبان کی بنیاد پر، انہیں اسلام میں اس حد تک تو تسلیم کیا ہے کہ ان کی بنیاد پر انسان باہمی ایک دوسرے سے تعلقات قائم کریں، ان سے انسانی میل جول، گفتگو اور تعارف حاصل ہو اور ان کی بنیاد پر لوگوں کی شناختیں مقرر کر کے انہیں پہچاننا آسان ہو جائے لیکن ان بنیادوں پر کسی قوم کو دوسری اقوام پر کسی قسم کی فضیلت یا برتری حاصل نہ ہے۔ چنانچہ قبائلی اور خاندانی قومیت کی صراحتاً کھلے الفاظ میں تردید کرتے ہوئے قرآنِ کریم اعلان کرتا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾(1)

"اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔"

حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی سے تخلیق کی بنا پر نسل انسانی کے اضافے کے ساتھ ہی انسانوں کی رنگتیں مختلف ہوتی چلی گئیں ہیں، اس طرح انسانی آبادی کے اضافہ کے ساتھ ساتھ ہی انسانوں میں کسی نہ کسی درجہ میں قومیت کا تصور پیدا ہو گیا۔ قرآن کریم یہ واضح طور پر کہتا ہے کہ قوموں کے درمیان اختلاف تب ہوا جب اللہ کی طرف سے مبعوث انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو راہِ حق دکھائی۔ جو لوگ انبیاء کی بات کو مان گئے وہ ایک طرف ہو گئے اور جنہوں نے انکار کیا تو وہ اس قومیت کے دھارے سے علیحدہ ہو کر الگ قوم بن گئے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ﴾(2)

"لوگ ایک ہی امت تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے۔"

قرآنِ کریم بہت سے مقامات پر انسانوں کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے انسانوں کو دو طبقات میں تقسیم کرتا ہے، مسلمان اور کافر، نیک اور بد، ہدایت یافتہ اور گمراہ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾(3)

"وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے، اور کوئی مومن، اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھتا ہے۔ "

﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ○ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ﴾(1)

---

(1) سورۃ الحجرات:13

(2) سورۃ البقرۃ:213

(3) سورۃ التغابن:2

"یقین رکھو کہ نیک لوگ یقیناً بڑی نعمتوں میں ہوں گے۔اور بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے۔"

نبی اکرم ﷺ نے بھی اسی قرآنی موقف کی وضاحت اپنی احادیث اور عملی کردار سے فرمائی۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اسلامی قومیت کی بنیاد پر جمع کرتے ہوئے رنگ و نسل کی بنیاد کی بالکلیہ نفی فرمادی۔ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى. (2)

"لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔یاد رکھو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی عجمی کو کسی عربی پر کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو کسی سرخ پر سوائے تقویٰ کے اور کسی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں ہے۔"

اس خطاب میں آپ ﷺ نے دو مرحلوں میں اسلامی قومیت کو اجاگر فرمایا۔ پہلے آپ نے مسلمانوں کو ان کا نقطۂ اتحاد بتایا اور انہیں شعور دلایا کہ مسلمان جس قوم، زبان یا نسل سے بھی تعلق رکھتا ہو اسے متحد رکھنے والی بنیاد عقیدۂ توحید ہے۔یعنی ان کا رب ایک ہے جس کی وہ سب عبادت کرتے ہیں اور جب رب ایک ہے جو کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے تو اس سے بڑا نقطۂ اتحاد اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے جد امجد بھی ایک ہی ہیں۔یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور جب سب انسانوں کی نسل ایک ہی انسان تک پہنچتی ہے تو نسلی تفاخر کا کیا معنیٰ؟ اور ایک ہی نسل سے ہوتے ہوئے اپنے قبائل کی بڑائی جتلانا کیسے روا ہو سکتا ہے؟اسی لیے آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی چھت پر اذان کا حکم فرمایا(3)اسی طرح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنایا(4)تاکہ رنگ و نسل اور جاہلی طرز کی بنیاد پر عزت و احترام کا کلچر ختم ہو۔ آپ ﷺ نے اسلامی قومیت کے لیے جغرافیائی قید کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ متقی لوگ میرے سب سے قریب ہیں۔(5)

---

(1)سورۃ الانفطار:13-14

(2)احمد بن حنبل،(1421ھ)،المسند،مؤسسہ الرسالہ،474/38،رقم:23489

(3)الارزقی، محمد بن عبداللہ،(س۔ن)،اخبار مکہ،دار الاندلس للنشر،بیروت،لبنان۔275/1

(4)واقدی، محمد بن عمر،(1989ء)،المغازی،دار الأعلمی،بیروت،لبنان۔1117/3

(5)ابن حنبل،مسند احمد،رقم:22052

شرعی نصوص پر مبنی آراء

تحریک پاکستان کے حامیان اور مخالفین ہر ایک کی دو قومی نظریہ سے متعلق تعبیر کسی نہ کسی شرعی بنیاد پر مبنی نظر آتی ہے اور جس نے بھی اپنے انداز میں دو قومی نظریہ کی منفرد تعبیر اپنائی ہے اس نے کسی نہ کسی شرعی بنیاد کو اپنایا ہے البتہ ہر ایک کی تعبیر میں الگ شرعی پہلو کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان جو بھی رائے اپناتا ہے وہ واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے اپناتا ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہر انسان کا مختلف واقعات کو دیکھنے اور ان پر غور وفکر کرنے کا ایک الگ اور مخصوص انداز ہے جس کی وجہ سے ان واقعات پر نکالے جانے والے نتائج مختلف شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ اسی بنا پر جو حضرات دو قومی نظریہ اور تحریک پاکستان کے حامی تھے انہوں نے اپنے مخصوص طرزِ فکر کے ساتھ واقعات کو پرکھ کر نتائج کو اخذ کر کے فیصلے کیے ہیں۔(1) اور جو حضرات متحدہ قومیت کے حامی تھے انہوں نے دوسرے اندازِ فکر کے ساتھ واقعات کو پرکھا اور نتائج اخذ کیے ہیں۔(2) لہٰذا کسی بھی تعبیر کو بیک قلم مسترد کر دینا اور اس کو عقل اور دین وشرع کے اصولوں سے متصادم قرار دے دینا نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی یہ دیانتدارانہ رویہ ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تحریک پاکستان کے تناظر میں بہت سے حضرات کی رائے میں واضح طور پر ارتقا ہوا ہے اور اگرچہ انہوں نے پہلے متحدہ قومیت کی رائے اپنائی ہے لیکن جس انداز میں سامنے آنے والے واقعات کو انہوں نے دیکھا اس کے نتیجے میں وہ اپنی رائے کو تبدیل کرنے پر مجبور ہو گئے۔ سر سید احمد خان، مولانا محمد علی جوہر اور قائدِ اعظم محمد علی جناح اس کی واضح مثالیں ہیں۔

تعبیرات میں فرق

درج بالا دونوں گروہوں کے درمیان کسی نص یا اصل اصول میں اختلاف نہیں بلکہ ان اصولوں کی تعبیرات میں فرق ہے جس سے کسی کے ایمان اور اسلام پر کوئی حرف نہیں آتا۔ جداگانہ ریاست کے حامیان کے نزدیک قومیت کی بنیاد مذہب و ملت پر ہے۔ اس پر قرآنی نصوص بھی موجود ہیں(3) جبکہ وطن اور ریاست اس کی معاون ہے۔ علامہ اقبالؒ انگریزوں کی طرزِ سیاست پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

(1) 1. شفیق ندیم ملک، ڈاکٹر، (س۔ن)، علامہ اقبال کا خطبہ الٰہ آباد، ص106، 109، 111

2. علامہ اقبال، (2007ء)، اقبال کے خطوط جناح کے نام، مترجم: محمد جہانگیر عالم، اقبال اکادمی لاہور، پاکستان۔ ص66

3. تراب الحق قادری، سید، (2010ء)، تخلیق پاکستان میں علمائے اہل سنت کا کردار، جمعیت اشاعت اہل سنت پاکستان، کراچی۔ ص: 79

(2) 1. حسین احمد مدنی، متحدہ قومیت اور اسلام، ص: 90، 89، 140، 148

2. مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تحریک آزادی ہند اور مسلمان، 67/1

(3) سورۃ التغابن، 2:64

''میں نے اپنی عمر کا نصف اسلامی قومیت اور ملت کے اسلامی نقطہ نظر کی تشریح وتوضیح میں گزارا ہے محض اس وجہ سے کہ مجھ کو ایشیا کے لئے اور خصوصا اسلام کے لئے فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایک عظیم خطرہ محسوس ہوتا تھا۔''(1)

کانگریس کے اندازِ سیاست پر تنقید کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''ہم اپنی انانیت کو قوم پرستی کے پردے میں چھپاتے ہیں۔ بظاہر فراخ دل ہیں اور حب الوطنی کے دعویدار ہیں مگر بہ باطن ہم ذات پات اور قبیلہ پرستی کی تنگ نظری میں مبتلا ہیں۔ غالباً ہم یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ ہر گروہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تہذیبی روایات کے مطابق آزادی کے ساتھ ترقی کرے۔''(2)

آپ نے جہاں مذہب کو ریاست کی بنیاد قرار دیا، وہیں آپ حب الوطنی کو قوموں کی ترقی کا ضامن قرار دیتے ہیں:

''مجھے یوں لگتا ہے کہ سیلف گورنمنٹ، خواہ یہ سلطنت برطانیہ کے اندر ہو یا سلطنت برطانیہ کے باہر ہو، اور ایک مربوط شمال مغربی ہندی مسلم ریاست کی تشکیل بالآخر مسلمانوں کی کم از کم شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کی تقدیر ٹھہرے گی۔ اس سے مسلمانوں کا احساس ذمہ داری مضبوط ہوگا اور جذبہ حب الوطنی فروغ پائے گا۔''(3)

متحدہ ہندوستان کا حامیان کا موقف یہ تھا کہ قومیت کی بنیاد مذہب کے بجائے وطنیت پر ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

''قوم کا لفظ ایسی جماعت پر اطلاق کیا جاتا ہے جس میں کوئی وجہ جامعیت کی موجود ہو خواہ وہ مذہبیت ہو یا وطنیت یا نسل یا زبان یا پیشہ یا رنگت، یا کوئی صنعت مادی یا معنوی وغیرہ وغیرہ کہا جاتا ہے عربی قوم، عجمی قوم، ایرانی قوم، مصری قوم، پختون قوم، فارسی بولنے والی قوم، سیدوں کی قوم، شیخوں کی قوم، کنجڑوں کی قوم، موچیوں کی قوم، کالوں کی قوم، گوروں کی قوم، صوفیوں کی قوم، دنیاداروں کی قوم وغیرہ وغیرہ یہ تمام محاورات تمام دنیا میں شائع وذائع ہیں۔''(4)

مولانا مدنی متحدہ قومیت سے اپنی مراد واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

(1) حسین احمد مدنی، متحدہ قومیت اور اسلام، ص:100

(2) شفیق ندیم ملک، ڈاکٹر، علامہ اقبال کا خطبہ الٰہ آباد، ص:106

(3) ایضا، ص:111

(4) حسین احمد مدنی، متحدہ قومیت اور اسلام، ص:90-89

''ہماری مراد قومیت متحدہ سے اس جگہ وہی قومیت متحدہ ہے جس کی بناء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ میں ڈالی تھی۔ یعنی ہندوستانیوں کے باشندے خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں بحیثیت ہندوستانی اور متحد وطن ہونے کے ایک قوم ہو جائیں اور اس پردیسی قوم سے جو کہ وطنی اور مشترک مفاد سے محروم کرتی ہوئی سب کو فنا کر رہی ہے جنگ کر کے اپنے حقوق کو حاصل کریں اور اس ظالم اور بے رحم قوت کو نکال کر غلامی کی زنجیروں کو توڑ پھوڑ ڈالیں۔ ہر ایک دوسرے سے کسی مذہبی امر میں تعرض نہ کرے بلکہ تمام ہندوستان کی بسنے والی قومیں اپنے مذہبی اعتقادات اخلاق اعمال میں آزاد رہیں۔ اپنے مذہبی رسم ورواج مذہبی اعمال واخلاق آزادی کے ساتھ عمل میں لائیں اور جہاں تک ان کا مذہب اجازت دیتا ہو امن وامان قائم رکھتے ہوئے اپنی اپنی نشرواشاعت بھی کرتے رہیں۔''(1)

اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسلام ہندوازم کی طرح تنگ اور سخت نہیں ہے جس میں اپنے سوا کو ملیچھ اور دوسروں کی ہاتھ لگائی ہوئی چیز کو ناپاک بتایا گیا ہو۔ جس کے قوانین میں دوسری قوموں کو شودر اور اچھوت قرار دیا گیا ہو۔ اس سے نکل جانے والوں کے لیے دروازے بند کر دیے گئے ہو وغیرہ وغیرہ وہ یہودی مذہب کی طرح کم حوصلہ نہیں ہے جس میں غیر مسلم کے ذبیحہ کو حرام اور اقوام عالم کا اس میں داخلہ ناجائز قرار دیا گیا ہو۔ وہ بدھ ازم کی طرح بے حس بھی نہیں ہے جس میں اپنی شخصیت قائم رکھنے کا کوئی قانون نہ ہو۔ اسلام ایک نرم اور نہایت عالی حوصلہ مذہب ہے اور تمام عالم اور تمام مذاہب کو اپنی طرف بلاتا بھی ہے اور سب کے لئے رواداری کا معاملہ بھی کرنے کے لیے تیار رہتا ہے غیروں کو باطل پر سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ بود و باش، صلح ومعاہدہ میل جول معاملات ومعاشرت وغیرہ کی اجازت بھی دیتا ہے۔ یہی معنی اس کی لچک کے ہیں۔ ہاں لچک بمعنی کمزوری یا باطل اور ناجائز اخلاق واعمال کو معمول بہ قرار دینے کے یقیناً صحیح نہیں ہے۔''(2)

گویا کہ جب مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ رہیں گے اور ان کا کردار اسلامی سانچے میں ڈھلا ہوا ہو گا تو یہ ممکن نہیں کہ غیر مسلم اسلام کی تعلیمات سے متاثر نہ ہوں۔ اور یہی اسلام کا مقصد ہے۔ دو قومی نظریہ کی عام طور پر یہی تعبیر کی جاتی تھی کہ مسلمان ایک قوم ہیں جبکہ غیر مسلم دوسری قوم ہیں۔ اور اس پس منظر میں یہ ثابت کیا جاتا تھا کہ ہر قوم کو ایک الگ خطہ ارضی حاصل کرنے کا حق ہے کیونکہ ہر قوم کی ثقافت و تہذیب اور رسوم ورواج الگ الگ ہیں۔ جبکہ مولانا حسین

(1) ایضاً، ص:148

(2) ایضاً، ص:81

احمد مدنی نے اس بات پر زور دیا کہ قومیت کا اسلام سے براہِ راست تعلق نہیں ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو بھی ایک قوم کہا گیا ہے باوجود اس کے کہ ان میں مسلمان بھی تھے اور کافر بھی تھے۔

مولانا حسین احمد مدنی کی تعبیر میں زیادہ زور دو باتوں پر دیا گیا ہے: پہلی بات یہ ہے کہ اسلام ایک عالمگیر اور آفاقی مذہب ہے۔ اور اس کی آفاقیت اسی صورت میں ظہور پذیر ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں اختلاط ہو تاکہ کفار کو موقع ملے کہ وہ مسلمانوں کی بود و باش دیکھیں اور ان کا طرزِ زندگی کفار کے لیے دعوت کا ذریعہ بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں اس بات کا کہیں ثبوت نہیں ملتا کہ مسلمانوں نے اپنے علاقوں سے کفار کو بے دخل کر دیا ہو یا کفار کے علاقوں میں مسلمانوں نے بود و باش اختیار کرنا بالکل چھوڑ دیا ہو۔ بلکہ ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے علاقوں میں نہ صرف کفار کو رہنے کی اجازت دی بلکہ انہیں جان اور مال کا تحفظ بھی فراہم کیا جس کی وجہ سے بے شمار کفار کو اسلام کی تعلیمات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرنے کا موقع ملا اور بہت سے کفار دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس وجہ سے آپ نے اس طرزِ فکر کی مذمت کی کہ مسلمان اپنے لیے ایک مخصوص علاقہ الگ کر لیں جس میں وہی اکثریت میں ہوں، غیر مسلموں کے ساتھ اختلاط کا اس میں کوئی موقع نہ ہو۔ یہ تعبیر درج ذیل پہلوؤں سے غور طلب ہے:

پہلی بات یہ ہے کہ اس بات میں کوئی دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ باہمی اختلاط ہی سے اسلام کا عالمگیر پیغام نشو ونما حاصل کرتا ہے اور اسلام کے زریں ادوار میں یقیناً ایسا ہی ہوا ہے، لیکن توجہ طلب بات یہ ہے کہ ایسا صرف اس لیے ہوتا رہا ہے کہ من حیث المجموع اس دور میں مسلمانوں میں بلندئ کردار واضح طور پر نظر آتی رہی ہے۔ جبکہ آج کے مسلمانوں کی عملی حالت تو مجموعی طور پر خود ہی ناگفتہ بہ ہے، تو ان سے کیسے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے عمل کے ذریعے لوگوں کو دعوت دیں گے اور ان کے عمل کو دیکھ کر غیر مسلموں کو اسلام کے قریب آنے کا موقع مل سکے گا؟

اگر مسلمانوں کا محض غیر مسلموں سے اختلاط ہی غیر مسلموں کی اسلام کی جانب رغبت کے لیے کافی ہے تو اس وقت بھی بے شمار مسلمان ہندوؤں کے ساتھ اختلاط میں رہتے ہیں تو کیا یہ اختلاط اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے کافی نہیں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے اختلاط اسلام کی اشاعت کا سبب بن سکتا ہے لیکن صرف اسی صورت میں جب کہ مسلمان عملی طور پر پختہ کردار رکھتے ہوں جیسا کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان تھے، ورنہ آج کل کے عام مسلمان اسلام کی اشاعت کا سبب بننے کی بجائے غیر مسلموں کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں اور یوں اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔

دوسرا زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ دو قومی نظریہ کی تعبیر کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا گیا کہ مسلم اکثریت کے علاقوں میں ایک اسلامی ریاست قائم کی جائے جہاں مسلمان ہندوؤں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہتے ہوئے اپنی تہذیب اور ثقافت کے اصولوں کی روشنی میں ترقی پا سکیں۔ اس نظریہ کے نتائج سے متعلق آپ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

مسلم اکثریت کے علاقوں میں اسلامی احکامات پر عمل کرنا تو مسلمانوں کے لیے ویسے بھی آسان ہے۔ اصل مشکل تو ان لوگوں کو ہے جو اقلیت کے علاقوں میں رہتے ہیں۔ اس تجویز کردہ حل میں ایسے کروڑوں مسلمانوں کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہے بلکہ ان کی مشکلات میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ کر دیا گیا ہے کیونکہ تقسیم سے پہلے ایک ہی ملک میں رہنے کی وجہ سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ اکثریتی علاقوں کے مسلمان اقلیتی علاقوں کے مسلمانوں کے لیے دست و بازو بن سکیں گے۔ لیکن جب اکثریتی علاقوں کے مسلمان الگ ہی ہو جائیں گے تو دوسرے مسلمان بالکل بے یار و مددگار ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ بات اس لیے معقول اور قابل توجہ ہے کہ بعد کے حالات نے اس کو درست ثابت کر دیا ہے۔ تقسیم ہند کے فوراً بعد ہندوستان کے رہنے والے مسلمان عدم تحفظ کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہندوستان میں رہتے ہوئے نہ صرف یہ کہ انہیں بسا اوقات مذہبی اعمال کی ادائیگی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ان کی جان ومال بھی خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔ گجرات، احمد آباد اور کشمیر وغیرہ کے مسلمانوں کے حالات اس بات کے گواہ ہیں۔

مولانا مودودی نے قومیت سے متعلق مسلم لیگ (جداگانہ ریاست) اور کانگریس (متحدہ ہندوستان) دونوں اندازِ فکر کے درمیان راستہ اپناتے ہوئے ایک طرف دو قومی نظریہ کے وجود کو تسلیم کیا اور دوسری طرف اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ قومیت کی بنیاد دراصل وہ ہے ہی نہیں جس کو عام طور پر بیان کیا جاتا ہے بلکہ اسلامی قومیت کی بنیاد کچھ اور ہے۔ اسلامی قومیت کی تشکیل ان اعمال واخلاق اور نظریۂ زندگی سے ہوتی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لیے پیش کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

> ''ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہماری قومی تحریکات میں بنیادی نقص کونسا ہے۔ (مسلمان قوم) وہ طرز عمل دیکھنا چاہتی ہے جس کی کشش نے ان کو ساری دنیا سے الگ ایک قوم بنایا تھا مگر افسوس کہ نہ وہ آواز کسی طرف سے آتی ہے اور نہ وہ طرز عمل کہیں نظر آتا ہے۔ بلانے والے ان کو ایسے مقاصد کی طرف بلاتے ہیں جو ان کی زندگی کے اصل مقاصد نہیں ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ علو اور تمکن فی الارض کی طرف آؤ حالانکہ یہ مسلمان کا نصب العین نہیں ہے بلکہ اپنے نصب العین (اعلائے کلمۃ اللہ) کے لیے اس کی بے غرضانہ جدوجہد کا طبعی نتیجہ ہے کوئی ان کو وطن پرستی کی طرف بلاتا ہے حالانکہ اسی چیز کو چھوڑ کر تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہوئے تھے کوئی ان کو نہایت ادنی درجہ کے مادی فوائد کی طرف بلاتا ہے حالانکہ مسلمان کی نگاہ میں ان کی حیثیت متاع غرور سے زیادہ نہیں۔۔۔۔۔ کہیں مکمل فرنگیت ہے کہیں نہرو اور گاندھی کا اتباع ہے۔''(1)

آزادی کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

(1) مودودی، تحریکِ آزادی ہند اور مسلمان، 103/1

"مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہماری منزل مقصود محض آزادی ہی نہیں ہے بلکہ ایسی آزادی ہے جس کی وجہ سے ہندوستان میں اسلام نہ صرف قائم رہے بلکہ عزت اور طاقت والا بن جائے آزادی ہند ہمارے نزدیک مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ اصل مقصد کے لیے ایک ضروری اور ناگزیر وسیلہ ہونے کی حیثیت سے مقصود ہے۔ ہم صرف اس آزادی کے لیے لڑنا چاہتے ہیں بلکہ صحیح تعریف یہ ہے کہ اپنے مذہب کی رو سے لڑنا فرض جانتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ یہ ملک کلیتہ نہیں تو ایک بڑی حد تک دارالاسلام بن جائے لیکن اگر آزادی ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ یہ جیسا دارالکفر ہے ویسا ہی رہے یا اس سے بدتر ہو جائے تو ہم بلا کسی مداہنت کے صاف صاف کہتے ہیں کہ ایسی آزادی وطن پر ہزار مرتبہ لعنت ہے اور اس کی راہ میں بولنا لکھنا روپیہ صرف کرنا لاٹھیاں کھانا اور جیل جانا سب کچھ حرام قطعی حرام ہے۔"(1)

متحدہ قومیت مولانا مودودی کے نزدیک بذاتِ خود ایسی ممنوع چیز نہیں بلکہ بعض وجوہات سے آزادی کے لیے قوموں کا اتحاد ایک حد تک ناگزیر بھی ہے۔ لیکن چونکہ مسلمان بذاتِ خود دین کے احکام پر پختگی سے عمل پیرا نہیں ہیں اور نہ ہی ان کا کردار اور اعتقاد پختہ ہے اس لیے دوسری قوموں کے ساتھ اختلاط ان کے اعمال و کردار پر نہایت برے اثرات ڈالے گا۔

مسلم مفادات کا تحفظ

دونوں گروہوں کا بنیادی موقف ایک ہی تھا کہ کسی طرح مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ ہو اور ان کے بنیادی حقوق میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو۔ ایک گروہ یہ سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کے درج بالا مفادات کا تحفظ صرف اور صرف الگ اسلامی ریاست میں ہے جبکہ دوسرا گروہ اس سے قدرے مختلف موقف رکھتا تھا اور اس کا ماننا تھا کہ متحدہ ہندوستان میں مسلم مفادات کا تحفظ اسی صورت ممکن ہو سکتا ہے کہ جب ہندوستان کے سارے مسلمان یہاں ہندوستان میں رہیں اور متحد ہو کر اپنا حق حاصل کریں۔ ان کے مطابق اگر مسلمانوں کا ایک گروہ الگ سے ریاست بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد مزید کم ہو جائے گی اور یہاں مقیم مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کے مفادات اسی میں ہیں کہ سارے اکٹھے رہیں۔ جبکہ پہلا گروہ عقل و دانش اور تجربہ کی بنیاد پر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ جو قوم انگریزوں کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق سلب کرتی جا رہی ہے، اگر اسے اقتدار نصیب ہو گیا تو مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیے جائیں گے۔ ان کے ہاں متعدد مثالیں موجود تھیں جو ان کے موقف کو دوسرے گروہ کے

(1) ایضاً، 67/1

موقف سے مضبوط کرتی تھیں۔ مثلاً اردو ہندی تنازعہ، انڈین نیشنل کانگریس میں انتہا پسند ہندو جماعتوں کا قائدانہ کردار، تقسیم بنگال کی مخالفت اور اس کی تنسیخ، جداگانہ انتخابات کی مخالفت، نہرو رپورٹ، گول میز کانفرنسز میں متعصبانہ رویہ اور سب سے بڑھ کر کانگریسی وزارتیں، جن میں ہندوؤں کو اختیار ملا تو انہوں نے اپنے مستقبل کا لائحہ عمل بتادیا کہ وہ کس طرح مسلمانوں سے معاملات طے کریں گے۔

دو قومی نظریہ اور متحدہ قومیت کے نظریات کی حدود

دو قومی نظریہ اور متحدہ قومیت دونوں ہی نظریات کی ایک ایک جماعت قائل رہی ہے لیکن یہاں یہ بات واضح کردینا ضروری ہے کہ قرآن وحدیث کے اصول کی روشنی میں دونوں نظریات کی مخصوص حدود ہیں، جن کا خیال رکھنا ازحد ضروری ہے۔ چنانچہ متحدہ قومیت کے نظریے میں یہ شرعی حد بندی ہے کہ غیر مسلم اقوام کو بلاوجہ اذیت نہ پہنچائیں اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کو ملحوظ خاطر رکھیں،(1) اقوام کے مابین اتحاد کے نتیجے میں مسلمانوں کی اسلامی قومیت کو نقصان نہ پہنچے۔ اس لیے اگر غیر مسلم اقوام سے ایسا اتحاد کیا جائے جس سے اسلامی شعائر یا مسلمانوں کی ذات کو نقصان پہنچے تو وہ سراسر ناجائز ہوگا۔(2) اسی طرح اس اتحاد میں بعض علماء نے یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ اس اتحاد میں مسلمان کفار سے غالب رہیں، مغلوب نہ ہوں۔ مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

> ''مسلمانوں کا مشرکین کے ساتھ جہاد آزادی میں اشتراک عمل اس شرط سے جائز ہے کہ حکم اہل شرک غالب نہ ہو مسلمان مشرکین کے جھنڈے تلے جمع نہ ہوں بلکہ مشرکین اسلامی جھنڈے کے نیچے ہوں۔ چنانچہ شرح سیر کبیر ص 241 جلد 3 میں یہ مسئلہ مذکور ہے اب فیصلہ اہل انصاف کے ہاتھ میں ہے کہ کانگریس میں اس وقت حکم شرک غالب ہے یا حکم اسلام؟''(3)

خدشات کے تدارک کے لیے احتیاطی تدابیر

دو قومی نظریہ اور متحدہ قومیت دونوں نظریات کے قائلین کی تعبیرات کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دونوں نظریات میں زیادہ تر زور متوقع خدشات اور مستقبل کے خطرات کی پیش بندی پر دیا گیا ہے۔ چنانچہ مسلم لیگ کے عمائدین ہندوؤں کی عیاری اور مسلمانوں کے خلاف ان کے غیض وغضب کو مسلمانوں کے لیے مستقل خطرہ

---

(1) سورۃ الممتحنہ، 8:60

(2) سورۃ الممتحنہ، 1-3:60

(3) عبدالرحمن خان، منشی، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، ص:108

سمجھتے ہوئے اس بات کے قائل رہے کہ ہندوؤں کے اس طرزِ فکر کے باوجود ان کے ساتھ اتحاد کرنا اور ان پر اعتماد کرنا گویا کہ اپنی بقا کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ چنانچہ قائدِ اعظم اپنے ایک خطاب میں کہتے ہیں:

''ہمارے مذہب نے زندگی کے ہر شعبے کیلئے ایک خاص ضابطہ وضع کیا ہوا ہے جس کے مطابق ہم اپنی زندگی بسر کرنے کے خواہش مند ہیں لیکن ہندو راہنما یہاں رام راج قائم کرنے اور مسلمانوں کے ساتھ اقلیت جیسا سلوک کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔''(1)

ایک دوسری جگہ خطاب میں فرماتے ہیں:

''ہم بلاشبہ ہندوستان کی آزادی کے خواہشمند ہیں بشرطیکہ یہ آزادی تمام ہندوستانیوں کو حاصل ہو نہ کہ صرف کسی ایک طبقے کو۔ اس کی بدترین صورت وہ ہوگی کہ اقتدار کانگریس اور اس کے حواریوں کے سپرد ہو جائے اور مسلمان اور دوسری اقلیتیں ان کی غلام بن جائیں۔''(2)

دوسری طرف متحدہ قومیت کے قائلین نے دو خطرات کا عام طور پر اظہار کیا ہے:

اگر انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے مسلمانوں اور ہندوؤں نے مشترکہ جد وجہد نہ کی تو انگریزوں کا ہندوستان سے انخلا یا تو نہ ہو سکے گا یا پھر اس میں بہت دیر ہو جائے گی۔ اگر دو قومی نظریہ کے قائلین کے مطابق ہندوستان کے اکثریتی علاقوں میں پاکستان قائم ہو گیا تو دوسرے علاقے جہاں مسلمان پہلے ہی اقلیت میں ہیں ان کا کوئی پرسانِ حال نہ رہے گا۔ اور وہ ہندو اکثریت کے مقابلے میں پس کر رہ جائیں گے۔

پہلے خدشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''ابھی یہ بات باقی ہے کہ ہماری جدوجہد کی بنیاد کا کیا حال ہے۔ میرا اشارہ ہندو مسلم اتحاد کی طرف ہے۔ یہ ہماری تعمیرات کی وہ پہلی بنیاد ہے جس کے بغیر نہ صرف ہندوستان کی آزادی بلکہ ہندوستان کی وہ تمام باتیں جو کسی ملک کے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لیے ہو سکتی ہیں، محض خواب وخیال ہیں۔ صرف یہی نہیں ہے کہ اس کے بغیر ہمیں قومی آزادی نہیں مل سکتی بلکہ اس کے بغیر ہم انسانیت کے ابتدائی اصول بھی اپنے اندر نہیں پیدا کر سکتے۔''(3)

---

(1) زوار حسین، ڈاکٹر، ارشاداتِ قائدِ اعظم، ص:75

(2) ایضاً، ص:35

(3) آزاد، خطباتِ آزاد، ص:193

مولانا حسین احمد مدنیؒ 1945ء کے انتخابات کے سلسلہ میں لکھنؤ تشریف لائے تو ایم ایس ایف کے وفد سے ملاقات کے دوران وسیم صدیقی صاحب نے پاکستان کے حمایت میں دلائل دینا شروع کیے، مولانا نہایت اطمینان سے جواب دیتے رہے۔ متحدہ ہندوستان کے حق میں موقف دیتے ہوئے کہا:

''مسلمانوں کے مسئلے کا حل تشکیل پاکستان نہیں بلکہ متحدہ ہندوستان ہے۔ مولانا کی سب سے بڑی اہم دلیل یہ تھی کہ پاکستان مسلم اکثریتی علاقوں میں بنے گا اور ہندو اکثریتی علاقوں میں جو مسلمان رہ جائیں گے ان کی تعداد ان مسلمانوں سے زیادہ ہوگی جو پاکستانی علاقوں میں ہوں گے لہذا یہ تو جزوی حل ہوا۔ مکمل اور تسلی بخش حل یہ ہے کہ کانگریس سے سمجھوتہ کرکے مسلم اقلیت کے لیے تحفظات حاصل کیے جائیں۔''(1)

بانیانِ پاکستان کا دو قومی نظریے کی بابت موقف

بانیانِ پاکستان کی نگاہ میں دو قومی نظریہ ایک مسلمہ حقیقت رہا ہے البتہ اس کی تعبیر میں مختلف حضرات نے مختلف انداز اختیار کیے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں دو قومی نظریے کا سب سے پہلے پرچار کرنے والے مجدد الف ثانیؒ ہیں جنہوں نے بادشاہِ وقت کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور دوٹوک موقف اپناتے ہوئے یہ واضح کیا کہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں۔ نے 1857ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی کے بعد سب سے پہلے دو قومی نظریہ کا نعرہ سرسید احمد خان نے بلند کیا۔ سرسید کے اسی نعرے کی بدولت مسلمانانِ برصغیر تشکیل پاکستان کے لیے غیر شعوری طور پر یکجا ہونا شروع ہوئے۔ اور پھر یہی نظریہ، نعرہ، سلوگن تحریکِ پاکستان کی بنیاد بنا۔ مولانا عبدالحلیم شرر مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا مطالبہ کرنے والے اولین افراد میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے 1919ء میں مذہبی بنیادوں پر برصغیر کو تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی، جس میں نہ صرف تقسیم کا مطالبہ تھا بلکہ تبادلہ آبادی کی تجویز بھی شامل تھی۔ غور کیا جائے تو مولانا عبدالحلیم شرر کی یہ بات امن عامہ اور دونوں قوموں کے وسیع تر مفاد میں خاصی وزن دار ہے اور معقول وجہ پر مبنی ہے۔ اپنے ماہوار رسالے 'مہذب لکھنؤ' میں لکھتے ہیں:

''حالات کچھ ایسے ہیں کہ کوئی قوم دوسرے فرقے کے جذبات مجروح کیے بغیر مذہبی رسومات ادا نہیں کر سکتی اور نہ عوام میں اتنی رواداری اور صبر کا اتنا مادہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی توہین کو معاف کر سکیں اگر حالات اس حد تک پہنچ چکے ہیں تو دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہندوستان کو ہندو اور مسلمان دو صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور آبادی کا تبادلہ کیا جائے۔ ہندوؤں کے رویّے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنا ہمسایہ بھی نہ بننے دیں گے چہ

(1) آزاد، خطباتِ آزاد، ص:48

جائے کہ وہ اپنے مقدر کی گھتیاں 'مسلم مشرکین' کو سنا ناپسند کریں۔ وہ اذان سننے کے بھی روادار نہیں۔ ان حالات میں تقسیم ہند کی تجویز مسلمانوں کے لیے قابل قبول ہو گی کیونکہ وہ بھی ہندوؤں سے بیزار دکھائی دیتے ہیں۔''(1)

چوہدری رحمت علی نے 1915ء نظریہ پاکستان پیش کیا۔ انہوں نے خود اپنی کتاب ''پاکستان'' میں لکھا کہ یہ نظریہ سب سے پہلے بزم شبلی کے ابتدائی ہفتے میں پیش کیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہندوستان کا شمالی منطقہ اسلامی علاقہ ہے اس لئے ہم اسے اسلامی ریاست میں تبدیل کریں گے۔ لیکن یہ اس وقت ہی ہو سکتا ہے کہ جب اس علاقے کے باشندے باقی ہندوستان سے خود کو الگ کریں۔ اسلام اور خود ہمارے لئے بہتری اسی میں ہے کہ ہم یہ علیحدگی جلد سے جلد اختیار کر لیں۔ لکھتے ہیں:

''میں یہ اپیل ان تین کروڑ مسلمان باشندوں کی جانب سے کر رہا ہوں جو ہندوستان کی پانچ شمالی وحدتوں میں رہتے ہیں یعنی پنجاب، سندھ، سرحد، کشمیر اور بلوچستان۔ اس کتابچے میں ان تین کروڑ مسلمانوں کی جانب سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ ان مسلمانوں کو ان کی جداگانہ تاریخ اور مذہبی بنیادوں کے مطابق ایک وفاقی دستور دیا جائے اور ان کی وہ قومی حیثیت تسلیم کی جائے جو ہندوستان کے باقی افراد سے انہیں ممتاز کرتی ہے۔''(2)

خیری برادران نے 1917ء میں اسٹاک ہوم سوشلسٹ انٹرنیشنل کانفرنس میں اپنا فارمولا پیش کیا، اس میں کہا گیا:

''حقیقی امن کے قیام کے لیے یہ ضروری ہے کہ تمام محکوم ممالک کو آزاد کر دیا جائے اس کے بغیر جنگ کے بعد بھی امن قائم نہیں رہ سکتا۔ ہندوستان کے لوگوں میں ایسے امور سرانجام دینے کی صلاحیت ہے۔ ہندوستان کو غلام بنائے رکھنے کی یہ دلیل بالکل غلط ہے کہ اس ملک میں کئی مذاہب کے پیروکار اور مختلف زبانیں بولنے والے لوگ آباد ہیں۔''(3)

---

(1) احمد سعید، (2019ء)، دو قومی نظریہ منہ بولتے حقائق، نظریہ پاکستان ٹرسٹ۔ ص:27

(2) ایضا: ص:29

(3) ایضا، ص:30

1924ء میں مولانا حسرت موہانی کی جانب سے ہندوستان کی اول انگریزوں سے آزادی کا مطالبہ کیا گیا اور پھر یہ بھی کہ اس کے بعد ہندوستان کو دو ریاستوں، ہندو ریاست اور مسلم ریاست، میں تقسیم کر دیا جائے۔(1) فضل کریم درانی 1929ء میں ہندو مسلم دو قومی نظریے کی بنیاد پر الگ وطن کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا:

''میں برس ہا برس سے ایک خواب دیکھ رہا ہوں اور اب وقت آ گیا ہے کہ میں اسے اپنے بھائیوں کے سامنے ظاہر کر دوں۔ یہ خواب ایک مسلم انڈیا کا خواب ہے۔ میں کبھی ہندو مسلم اتحاد پر یقین نہیں رکھتا تھا ایک وقت تھا جب ہندوستان میں لوگ ہندو مسلم اتحاد کے لیے پاگل ہو رہے تھے لیکن اس وقت بھی میں اس کے خلاف تھا دیکھنے اور سوچنے والوں کے لئے گزشتہ دس سالوں میں ایک بات واضح ہو گئی ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک علیحدہ ریاست کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ مسلم انڈیا کی بات پر ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی شکل اختیار کر لی ہے جو کسی طور پر بھی درست نہیں اور ہندوؤں کو اس پر ناراض ہونے کی بھی ضرورت نہیں وہ مسلمانوں کا کچھ نہیں کر سکتے اگر وہ چاہیں بھی۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک دوسرے کے مخالف کلچر نہیں چل سکتے۔ کسی وقت بھی ان کا آپس میں جھگڑا ہو سکتا ہے۔ دو مختلف سیاسی نظریات مختلف مذہبی نظریات کسی طور پر بھی باہم نہیں چل سکتے اور آخر کار ایک روز آپس میں لڑیں گے۔ ہندوستان کے مسئلہ کا حل یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک قوم نیست و نابود ہو جائے، خودکشی کر لے اور اپنے آپ کو غائب کر لے یا قرونِ اولیٰ کے مسلمان اپنا حق چھین لیں۔ اس کے سوا کوئی متبادل حل نہیں ہو سکتا۔''(2)

1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد دو قومی نظریے کی سب سے اولین اور توانا آواز سر سید احمد خاں کی تھی۔ جب ہندوستان میں بعض سر برآوردہ ہندوؤں نے اردو اور فارسی زبان کو موقوف کرانے اور اس کی جگہ برج بھاشا کو رائج کرنے کی کوششیں کیں تو سر سید نے اسے بھی دونوں قوموں کے درمیان موافقت کے پیدا نہ ہونے کا سبب خیال کیا۔ مولانا حالیؒ فرماتے ہیں:

''سر سید کہتے تھے کہ یہ پہلا موقع تھا جب کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر سب کے لئے ساتھ ساتھ کوشش کرنا محال ہے ان کا بیان ہے کہ انہی دنوں میں جب کہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا ایک روز مسٹر شیکسپیئر سے جو اس وقت بنارس میں کمشنر تھے، میں مسلمانوں کی تعلیم کے بارے میں کچھ گفتگو کر رہا تھا اور وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سن رہے تھے۔ آخر انہوں نے کہا کہ آج یہ پہلا موقع ہے کہ

---

(1) ایضاً، ص:35

(2) احمد سعید، دو قومی نظریہ منہ بولتے حقائق، ص:37

میں نے تم سے خالص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے اس سے پہلے تم ہمیشہ عام ہندوستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کرتے تھے میں نے کہااب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔ابھی تو بہت کم ہے آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔انہوں نے کہا اگر آپ کی یہ پیشین گوئی صحیح ہو تو نہایت افسوس ہے۔میں نے کہا مجھے بھی نہایت افسوس ہے مگر اپنی پیشین گوئی پر مجھے پورا یقین ہے۔"(1)

علامہ اقبال نے فرنگی طرزِ سیاست کو مسلمانوں کے لیے عظیم خطرہ قرار دیا ہے کیونکہ اس کی بنیاد جدید قومیت اور وطنیت کے نظریہ پر ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

"میں نے اپنی عمر کا نصف اسلامی قومیت اور ملت کے اسلامی نقطہ نظر کی تشریح وتوضیح میں گزارا ہے محض اس وجہ سے کہ مجھ کو ایشیا کے لئے اور خصوصا اسلام کے لئے فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایک عظیم خطرہ محسوس ہوتا تھا۔"(2)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ وطنیت اور حب الوطنی کو حرفِ غلط تصور کرتے ہیں بلکہ مذہب وملت کو قومیت کی تشکیل کی بنیاد قرار دینے کے ساتھ آپ حب الوطنی کو قوموں کی ترقی کے لیے معاون قرار دیتے ہیں۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"مجھے یوں لگتا ہے کہ سیلف گورنمنٹ،خواہ یہ سلطنت برطانیہ کے اندر ہو یا سلطنت برطانیہ کے باہر ہو،اور ایک مربوط شمال مغربی ہندی مسلم ریاست کی تشکیل بالآخر مسلمانوں کی کم از کم شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کی تقدیر ٹھہرے گی۔اس سے مسلمانوں کا احساس ذمہ داری مضبوط ہو گا اور جذبہ حب الوطنی فروغ پائے گا۔"(3)

نیز کانگریس کے اندازِ سیاست پر تنقید کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"ہم اپنی انانیت کو قوم پرستی کے پردے میں چھپاتے ہیں۔بظاہر فراخ دل ہیں اور حب الوطنی کے دعویدار ہیں مگر بہ باطن ہم ذات پات اور قبیلہ پرستی کی تنگ نظری میں مبتلا ہیں۔غالباً ہم یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ ہر گروہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تہذیبی روایات کے مطابق آزادی کے ساتھ ترقی کرے۔"(4)

---

(1) حالی،الطاف حسین،مولانا،(2000ء)،حیات جاوید،ارسلان بکس آزاد کشمیر،پاکستان۔ص:162

(2) مولانا حسین احمد مدنی،متحدہ قومیت اور اسلام،ص100

(3) ڈاکٹر شفیق ندیم ملک،علامہ اقبال کا خطبہ الٰہ آباد،ص111

(4) ایضا،ص:106

ان تعبیرات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعبیر کے مطابق قومیت کی بنیاد صرف مذہب وملت ہے لیکن وطنیت اس کی معاون ہے۔ آپ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ملت کی بنیاد پر تشکیل پانے والی ہر قوم کی تہذیبی روایات کا احترام کیا جائے اور تنگ نظری سے ہٹ کر ہر قوم کو ترقی کرنے کا حق دیا جائے۔ ہماری رائے میں نظریہ قومیت کی یہ بہترین تعبیر ہوسکتی ہے۔ بانی پاکستان قائداعظمؒ نے مسلمانوں کو ایک الگ قوم کی حیثیت سے نہ صرف منوایا بلکہ انہوں نے اسی الگ قوم کو الگ وطن بھی دلوایا۔ دو قومی نظریہ کو عوام الناس کے دلوں میں گھر کروانے والے قائداعظم ہی تھے۔ جواہر لال نہرو نے 1937ء کے انتخابات میں غیر معمولی کامیابی حاصل کرنے کے بعد کھلے لفظوں میں جب رعونت کا مظاہرہ کیا تو قائداعظم ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کی ترجمانی کرتے ہوئے جواہر لال نہرو کو جواب دیا۔ اس واقعہ کو شورش کاشمیری یوں بیان کرتے ہیں:

> "کانگریس کو خود اس کامیابی کی توقع نہ تھی۔ اب جو بے نظیر اکثریت حاصل ہوئی تو قدرتاً اس کا سیاسی مزاج بالا ہوگیا۔ پنڈت جواہر لعل نے چودھری خلیق الزمان اور نواب اسماعیل میرٹھی سے باہمی اشتراک کا وعدہ کیا تھا لیکن چودھری صاحب سے کہا گیا کہ کانگریس میں شامل ہوجائیں انہیں مسلم لیگی ممبر کی حیثیت سے وزیر لینا مشکل ہے۔ اس واضح اکثریت کے بعد کانگریس کسی اشتراک کی خواہاں نہیں۔ چودھری صاحب برہم ہوگئے۔ ادھر پنڈت جواہر لعل نہرو نے بیان داغ دیا کہ ملک میں دو ہی طاقتیں ہیں: برطانوی حکومت اور انڈین نیشنل کانگریس۔ مسٹر جناح نے فوراً ٹوکا اور کہا ایک تیسری طاقت بھی ہے اور وہ ہے مسلمان۔"(1)

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس مارچ ۱۹۴۰ء بمقام لاہور میں قائداعظم نے واضح کیا کہ مسلمان محض ایک اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں اور اس بناء پر اپنی ایک علیحدہ مملکت کے حقدار ہیں۔ مارچ ۱۹۴۲ء میں حکومت برطانیہ کی جانب سے سر اسٹیفورڈ کرپس نے ہندوستان میں مصالحت کے لیے 'کرپس تجاویز' پیش کیں۔ قائداعظمؒ کے خیال میں یہ تجاویز پاکستان کے مطالبے کو عملی طور پر قبول نہیں کرتی تھی لہٰذا مسلم لیگ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ 1946ء میں برطانوی کابینہ کا ایک مشن ہندوستان پہنچا۔ مشن نے ایک ایسے نظام کا منصوبہ پیش کیا جو مسلمانوں کے ایک جداگانہ مملکت اور کانگریس کے متحدہ ہندوستان کے مطالبوں کے بین بین تھا۔ اس منصوبے کو ابتدا میں کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے منظور کرلیا لیکن بعد میں کانگریس نے صوبائی گروہ بندی کی اپنی مرضی کی ایسی توضیح نکالی جو مسلمانوں کو قابل قبول نہیں تھی۔ لہٰذا قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کو مشورہ دیا کہ وہ اس منصوبے کو منظور نہ کرے۔ جب کانگریس نے ہندوستان کے آئینی مسائل کے کسی منصفانہ حل پر اتفاق نہ کیا تو مسلم لیگ مجبور ہوگئی کہ وہ ایک مکمل طور پر خود مختار مملکت کا مطالبہ

---

(1) شورش کاشمیری، بوئے گل نالہ دل دود چراغ محفل، ص:162

کرے۔اب حکومت برطانیہ کو بھی یقین ہو گیا کہ کوئی درمیانی راستہ دونوں جماعتوں کے لئے قابل قبول نہیں لہذا وہ بادل ناخواستہ برصغیر کی تقسیم کرنے پر راضی ہوگئی۔تحریکِ پاکستان کے دوران قائداعظمؒ نے دو قومی نظریے کا بھرپور وضاحت کے ساتھ پرچار کیا۔آپ نے فرمایا:

''ہندوستان کی دو بڑی قومیں نہ صرف مذہب کے لحاظ سے الگ الگ ہیں بلکہ دونوں کی ثقافتیں بھی ایک دوسرے سے قطعی جدا ہیں۔ہمارے مذہب نے زندگی کے ہر شعبے کیلئے ایک خاص ضابطہ وضع کیا ہوا ہے جس کے مطابق ہم اپنی زندگی بسر کرنے کے خواہش مند ہیں لیکن ہندو رہنما یہاں رام راج قائم کرنے اور مسلمانوں کے ساتھ اقلیت جیسا سلوک کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔''(1)

امتِ مسلمہ کی الگ حیثیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''اسلام اور ہندو دھرم محض اور فقط مذاہب نہیں ہیں بلکہ در حقیقت دو مختلف اور متمیز معاشرتی نظام ہیں۔چنانچہ اس خواہش کو خواب وخیال ہی کہنا چاہیے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں گے۔''(2)

امریکی صحافی کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا:

''ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف بہت گہرا ہے اور اسے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ہم ایک قوم ہیں، ہماری نمایاں ثقافت اور تہذیب، زبان اور ادب، فن اور تعمیرات، نام اور نام رکھنے کا نظام ہے۔نسبت اور تناسب کا شعور، قانون اور اخلاقی ضابطے، رواج اور جنتری، تاریخ اور روایات، میلان طبع اور امنگوں کے اعتبار سے مختصراً زندگی اور زندگی کے متعلق ہمارا اپنا نمایاں نقطہ نظر ہے۔بین الاقوامی جملہ ضابطوں کے لحاظ سے ہم ایک قوم ہیں۔''(3)

مزید فرماتے ہیں:

''مسلمان اپنی تقدیر اور اپنا مستقبل کسی اور کے ہاتھوں میں دینے کو تیار نہیں۔وہ خود ہی طے کریں گے کہ ان کے مفادات میں کیا بہتر ہے۔ان تمام فریقوں کو جنہیں مستقبل کے ہندوستان کے سیاسی خدوخال وضع کرنے ہیں، چاہیے کہ وہ مسلمانوں کو بھی ایک اہم اور باوقار فریق کی حیثیت دیں۔ہمارا عندیہ اپنے ہندو اور عیسائی بھائیوں سے

---

(1)زوار حسین، ڈاکٹر، ارشاداتِ قائداعظم، ص:75

(2)تصورِ پاکستان بانیانِ پاکستان کی نظر میں، (2005ء)، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، پاکستان۔ص:15

(3)تصورِ پاکستان بانیانِ پاکستان کی نظر میں، ص:19

کٹ جانے کا نہیں ہے بلکہ انہیں سمجھانے کا ہے کہ ہندوستان کے سورج تلے ہمیں بھی ایک باوقار جگہ مانگنے کا حق ہے۔"(1)

قائدِاعظم محمد علی جناحؒ کی طرف سے مسلمان قوم کے لیے کیے جانے والے تمام اقدام ہی قابلِ تحسین تھے بلکہ آپ کی تمام باتوں کو قرآنی و شرعی نصوص کا سہارا بھی حاصل تھا۔ لہٰذا آپ کی تمام باتوں میں جس چیز کا سب سے زیادہ اظہار ہوا، وہ دو قومی نظریہ ہی تھا۔ان دو فریقوں کے بعد ایک تیسرا فریق بھی ہے جس نے تشکیلِ پاکستان کے بعد یہ کہنا شروع کیا کہ پاکستان سیکولر ریاست ہے کیونکہ اسے سیکولر بنیادوں پر حاصل کیا گیا ہے۔ انہوں نے ریاست اور ریاست کی قانون سازی میں مذہب کے کردار پر ہمیشہ سے سوال اٹھائے ہیں اور اس کا سلسلہ تاحال بھی جاری ہے۔ سبط حسن نے تو اپنی 'نوید فکر' میں علی الاعلان کہا کہ ریاست کی قانون سازی میں مذہب کو نظرانداز کیا جانا چاہیے۔(2) ان کے نزدیک ریاست تو ایک جغرافیائی اور سیاستی حیثیت کا نام ہے، اس میں مذہب نام کا کوئی کردار نہیں ہو سکتا۔ یہ طبقہ اسے مسلمانوں کی تحریک کا نام (3) دے کر حقیقت سے منہ موڑتا ہے کیونکہ دو قومی نظریہ اس تحریک کا بنیادی مدعا تھا۔ یہ طبقہ بانیانِ پاکستان کے مفہوم کی من پسند تعبیرات نکال کر اسے اپنے مفہوم میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ طبقہ جھوٹ بولنے سے بھی قطعاً نہیں گھبراتا۔ جسٹس منیر کے مطابق قائدِاعظمؒ نے کبھی بھی 'نظریہ پاکستان' کا فقرہ استعمال نہیں کیا۔(4) اگر فقط جسٹس صاحب تھوڑی سی زحمت یہ کرتے کہ قائدِاعظم کی تقاریر پر مبنی کتب دیکھ لیتے تو ان کا یہ مسئلہ حل ہو جاتا۔ ڈاکٹر مبارک علی کے مطابق قیامِ پاکستان کی تحریک سیکولر ڈیموکریٹک پاکستان کے لیے تھی، جس کے جواب میں صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی نے ایک خوبصورت جواب دیا، کہتے ہیں:

"اگر مسئلہ محض ایک 'سیکولر پاکستان' کا ہوتا جو اسلامی احکام و تعلیمات کا تجربہ گاہ نہ ہوتا تو پھر ایک بڑے 'سیکولر ہندوستان' کے ہوتے ہوئے ایک نسبتاً چھوٹے سیکولر ملک کی کیا ضرورت تھی؟ اگر سر پھوڑنا ہی مقدر ٹھہرا ہے۔۔۔ تو پھر اے سنگدل! تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو۔"(5)

---

(1) زوار حسین، ڈاکٹر، ارشاداتِ قائدِاعظم، ص:70

(2) سبط حسن، (1988ء)، نوید فکر، مکتبہ دانیال، لاہور، پاکستان۔ ص:271

(3) حمزہ علوی، (2001ء)، پاکستان میں مذہبی بنیاد پرستی کا ارتقاء، دی فرائیڈے ٹائمز، جون. ص:21-15

(4) Muhammad Munir, (2018), Chief Justice Pakistan, From Jinnah to Zia, Sani H. Panhwar. p.8

(5) گیلانی، خورشید احمد، سید، (2002ء)، قلم برداشتہ، خورشید گیلانی ٹرسٹ، لاہور، پاکستان۔ ص:303

بہت سے سیکولر حضرات نے نظریۂ پاکستان کے حوالے سے پاکستان کی تاریخ کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش کی ہے اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ پاکستان محض ایک سیکولر ریاست ہے جس کے قیام میں کوئی مذہبی بنیاد شامل تھی نہ ہی اسلام کی تعلیمات کا عملی نفاذ کا مقصد شامل تھا، اس مذموم کوشش کے بنیادی کرداروں میں جسٹس (ر) منیر سرِفہرست ہیں جنہوں نے نظریۂ پاکستان کو ایک من گھڑت داستان قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ انہی کی پیروی میں دیگر بہت سے سیکولر دانش وروں نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے۔

نتائج

1. درج بالا گفتگو کے بعد یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستان کی تشکیل کی بنیاد وہ نظریہ تھا جسے مسلم علماء و سیاسی اکابرین نے پیش کیا کہ مسلمان اپنا جداگانہ نظامِ حیات رکھتے ہیں۔ ان کا اپنا سیاسی نظام بھی ہے اور معاشرتی نظام بھی، ان کے پاس معاشی نظام بھی ہے اور تہذیبی و تمدنی نظام بھی، مسلمان ہر حوالے سے ہندوؤں سے مختلف ہیں اور اسی اختلاف کے پیش نظر ان کے باہمی تعلقات میں بہتری کی کوئی گنجائش نہیں، لہٰذا یہ دونوں اقوام اس چیز کی مستحق ہیں کہ انہیں الگ الگ ریاستیں دی جائیں اور برصغیر کو تقسیم کر دیا جائے۔
2. مسلمان سیاسی قائدین نے انگریزوں کو یہ باور کروایا کہ وہ اپنے مذہب پر آزادی سے عمل کرنا چاہتے ہیں جو کہ متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں کے مذہبی تعصب کی وجہ سے ممکن نہیں۔ مسلمان عوام بھی اسی نعرے پر لبیک کہتے ہوئے مسلم لیگ کے ساتھ آ گئے۔
3. وہ مسلمان علماء اور سیاسی اکابرین جنہوں نے تحریکِ پاکستان کی مخالفت کی، ان کی اس مخالفت کی کئی وجوہات تھیں جو کہ مقالہ میں درج کر دی گئی ہیں۔ وہ متحدہ ہندوستان کی حمایت کے ساتھ دو قومی نظریہ کے بھی حامی تھے۔ سیکولر طبقہ کے حامیان کی فکر کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بانیانِ پاکستان کے واضح الفاظ کو اپنے مفہوم کا جامہ پہنا رہے ہیں۔
4. درج بالا سطور میں تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم ہوں یا علامہ اقبال، نظریۂ پاکستان کے اولین پیش کنندہ سمجھے جانے والے چودھری رحمت علی ہوں یا پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان، سبھی نے بیک آواز اپنے بے شمار اقوال و خطبات میں اسلام اور اسلامی تعلیمات نیز دو قومی نظریہ کو ملک پاکستان کی اساس اور اس کے وجود کے لیے ناگزیر قرار دیا ہے۔

سفارشات

۱۔اسلامی نظامِ حکومت نافذ کیا جائے:

دو قومی نظریے کی تعبیرات میں اگرچہ مفکرین کی آرا مختلف رہی ہیں مگر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ پاکستان دو قومی نظریے کی بنیاد پر ہی معرضِ وجود میں آیا تھا اور تحریکِ پاکستان میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے والوں کا مطمع نظر صرف یہی تھا کہ مسلمانوں کو ایک ایسا خطہ زمین مل جائے جہاں وہ اسلامی قوانین کے مطابق اپنا نظامِ سلطنت چلا سکیں۔چنانچہ قیامِ پاکستان کے بعد یہاں فوراً اسلامی قانون کا نفاذ ہونا چاہیے تھا مگر ایسا نہ ہو سکا اور رفتہ رفتہ یہ مقصد ہی نگاہوں سے اوجھل ہوتا گیا۔اب بھی پاکستان کی بقا اور ترقی کے لئے یہاں اسلام کے سیاسی نظام کو اس کی اصل روح کے ساتھ نافذ کیا جانا ضروری ہے۔تاکہ پاکہ پاکستان ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔

۲۔ نظریہ پاکستان سے انحراف پر پابندی:

کچھ محب وطن دانشور اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ پاکستان صرف ''اسلامی جمہوریہ'' کہلانے کی وجہ سے غیر مسلم قوتوں کے عتاب کا نشانہ بنا ہوا ہے۔لہٰذا انہوں نے پاکستان کو ''سیکولر'' قرار دینے میں ملک کیلئے عافیت سمجھی اور اب بھی وہ پاکستان کو سیکولر ریاست قرار دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں جبکہ ایک طبقہ وہ بھی ہے جو محض ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر دشمن کی پشت پناہی سے پاکستان کو سیکولر ریاست ثابت کرنے کے لئے ذرائع ابلاغ کا کھلم کھلا استعمال کر رہا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ نظریہ پاکستان کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو دبا دیا جائے اور ہر لفظ کو مٹا دیا جائے۔ارباب اختیار نظریہ پاکستان کے خلاف ہر قسم کی تقریر و تحریر پر پابندی عائد کر دیں۔تاکہ پوری قوم یکسوئی کے ساتھ وطن سے محبت بھی کرے اور اس کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ کے لئے کمربستہ بھی رہے۔

۳۔دو قومی نظریہ کے فروغ کیلئے کوشش:

ذرائع ابلاغ اور تدریسی نصاب میں ''دو قومی نظریہ'' کے فروغ کے لئے مضامین شامل کئے جائیں۔کانفرنسز کا اہتمام ہو اور آئندہ نسل کو مذہب کی محبت کے ساتھ ساتھ جذبہ حب الوطنی سے بھی سرشار کیا جائے۔

مصادر و مراجع

1. احمد بن حنبل،(1421ھ)،المسند،مؤسسہ الرسالہ،
2. احمد سعید،(2019ء)،دو قومی نظریہ منہ بولتے حقائق، نظریہ پاکستان ٹرسٹ۔
3. الارزقی، محمد بن عبداللہ،(س۔ن)،اخبار مکہ،دار الاندلس للنشر، بیروت، لبنان۔
4. تراب الحق قادری،سید،(2010ء)، تخلیق پاکستان میں علمائے اہل سنت کا کردار،جمعیت اشاعت اہل سنت پاکستان، کراچی۔
5. تصورِ پاکستان بانیانِ پاکستان کی نظر میں،(2005ء)،شریعہ اکیڈمی،اسلام آباد، پاکستان۔
6. حالی،الطاف حسین،مولانا،(2000ء)،حیات جاوید،ارسلان بکس آزاد کشمیر، پاکستان۔
7. حمزہ علوی،(2001ء)، پاکستان میں مذہبی بنیاد پرستی کا ارتقاء،دی فرائیڈے ٹائمز،جون.
8. سبط حسن،(1988ء)،نوید فکر،مکتبہ دانیال،لاہور، پاکستان۔ص:271
9. شفیق ندیم ملک،ڈاکٹر،(س۔ن)،علامہ اقبال کا خطبہ الٰہ آباد،
10. علامہ اقبال،(2007ء)،اقبال کے خطوط جناح کے نام،مترجم: محمد جہانگیر عالم،اقبال اکادمی لاہور، پاکستان۔
11. گیلانی،خورشید احمد،سید،(2002ء)، قلم برداشتہ،خورشید گیلانی ٹرسٹ،لاہور، پاکستان۔
12. مودودی،سید ابوالاعلیٰ،(س.ن)، تحریکِ آزادی ہند اور مسلمان،اسلامک پبلی کیشنز،لاہور۔
13. واقدی، محمد بن عمر،(1989ء)،المغازی،دار الأعلمی،بیروت،لبنان۔
14. Muhammad Munir, (2018), Chief Justice Pakistan, From Jinnah to Zia, Sani H. Panhwar.